مخطوطہ کا عکس ۱۴۰۹ھ/۱۹۸۹ء میں چھپ گیا ہے۔ شاہ صاحب کی یہ وہ مستند سوانح حیات ہے جس سے ان کے افکار و نظریات کو سمجھنے میں صحیح راہنمائی ملتی ہے۔

تفسیر عزیزی کے تعارف سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ صاحب تفسیر حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا مختصر تذکرہ پیش کر دیا جائے۔

آپ ۱۱۵۹ھ/ ۱۷۴۵ء میں پیدا ہوئے' غلام حلیم آپ کا تاریخی نام ہے آپ کا سلسلہ نسب چونتیس ۳۴ واسطوں سے حضرت امیر المؤمنین عمر بن الخطابؓ تک پہنچتا ہے' تمام علوم وفنون اپنے والد ماجد حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے حاصل کئے' اور ان ہی کے دستِ اقدس پر بیعت ہوئے' والد ماجد کی رحلت کے وقت آپ کی عمر سترہ سال تھی' چونکہ علم وفضل کے اعتبار سے اپنے بھائیوں میں بڑے تھے' اس لیے آپ ہی والد گرامی کے جانشین مقرر ہوئے۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی مروجہ اور غیر مروجہ علوم وفنون میں حیرت انگیز مہارت رکھتے تھے' حافظہ نہایت قوی تھا' خوابوں کی تعبیر' وعظ و خطابت اور انشا پردازی میں ید طولیٰ رکھتے تھے' ذکاوت کا یہ عالم تھا کہ مشکل سے مشکل مسئلہ چٹکیوں میں حل کر دیتے تھے۔ مخالفین اور معترضین کو فی البدیہ ایسا جواب دیتے کہ وہ ششدر رہ جاتے۔

ایک ہندو نے سوال کیا کہ اللہ ہندو ہے یا مسلمان؟ آپ نے فرمایا: اگر اللہ تعالیٰ ہندو ہوتا تو گاؤکشی کا سلسلہ جاری نہ ہوتا' یہ جواب اس کے دل میں اتر گیا اور وہ اسی وقت مسلمان ہو گیا۔ یاد رہے اس وقت شاہ صاحب کی عمر صرف سترہ سال تھی۔

ایک پادری نے کہا کہ میں ایک سوال پوچھنا چاہتا ہوں، لیکن اس کا جواب نقلی نہیں عقلی ہونا چاہیے۔ شاہ صاحب نے فرمایا: پوچھو۔ اس نے کہا کہ آپ کے پیغمبر ﷺ اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں۔ امام حسین کی شہادت کے موقع پر انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کیوں نہ کی؟ محبوب کا محبوب تو بہت ہی محبوب ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ ضرور توجہ فرماتا اور آپ کی دعا قبول فرماتا، شاہ صاحب نے فرمایا: ہمارے پیغمبر ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی، پردۂ غیب سے ندا آئی کہ آپ کے نواسے پر بے شک ظلم کیا گیا ہے اور انہیں شہید کر دیا گیا ہے، لیکن میں کیا کروں کہ مجھے اس وقت اپنے بیٹے عیسیٰؑ کو سولی پر چڑھانے کا واقعہ یاد آ گیا ہے۔ اس جواب پر ہمارے نبی ﷺ خاموش ہو گئے۔ اس الزامی جواب پر پادری اپنا سا منہ لے کر رہ گیا۔

ایک دن پریزیڈنٹ دہلی ملاقات کے لیے آیا، دوران گفتگو اس نے ایک سوال پیش کیا اور کہا کہ کوئی اس کا جواب نہیں دیتا۔ سوال یہ تھا کہ ایک شخص راستہ بھول گیا اس نے دیکھا کہ ایک شخص سویا ہوا ہے اور دوسرا بیٹھا ہوا ہے، وہ کس سے راستہ پوچھے؟ (مطلب یہ تھا کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ قبر انور میں آرام فرما ہیں اور حضرت عیسیٰؑ آسمانوں پر تشریف فرما ہیں، ان پر موت طاری نہیں ہوئی) حضرت شاہ صاحب نے فرمایا: راستہ گزرنے کے لیے ہوتا ہے، بیٹھنے کے لیے نہیں ہوتا، معلوم ہوتا ہے کہ بیٹھنے والا اس انتظار میں بیٹھا ہے کہ سونے والا بیدار ہو تو اس سے راستہ معلوم کر کے منزل مقصود تک پہنچوں، اس لیے تیسرے شخص کو بھی انتظار کرنا چاہیے تاکہ وہ بھی بیٹھنے والے کے ہمراہ جا سکے۔ (۱)

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علوم وفنون اور روحانیت کا بحر ذخار تھے۔ حدیث اور تفسیر کے ساتھ آپ کو خصوصی شغف تھا، آپ کے حلقۂ درس سے فیض یاب ہونے والوں کی تعداد

بہت زیادہ ہے، چند حضرات کے نام پیش کئے جاتے ہیں۔

حضرت سید شاہ آل رسول مارہروی (جن سے امام احمد رضا بریلوی نے سندِ حدیث لی) مولانا مفتی صدرالدین آزردہ (صدر الصدور دہلی) مولانا مخصوص اللہ (برادرزادہ) شہید جنگ آزادی، علامہ فضل حق خیر آبادی، مولانا شاہ سلامت اللہ کشفی بدایونی، حضرت شاہ فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی، حضرت شاہ ابوسعید اوران کے صاحبزادے حضرت شاہ احمد سعید مجددی، مولانا شاہ ظہور الحق پھلواروی، مولانا شاہ عبدالغنی پھلواروی (۲)، شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی (نواسہ اور جانشین) مولانا شاہ رفیع الدین (برادر) مولانا رشید الدین خان دہلوی، حضرت شاہ غلام علی دہلوی، مفتی الٰہی بخش کاندھلوی، شاہ محمد اسمٰعیل دہلوی (برادرزادہ) مولوی عبدالحی دہلوی (داماد) وغیرہم۔ (۳)

حضرت محدث دہلویؒ کا زیادہ وقت تدریس، افتاء، تبلیغ اور ارشاد وہدایت میں صرف ہوا، تاہم آپ کی ہر تصنیف انتخاب ہے، درجہ ذیل تصانیف آپ کی یادگار ہیں۔

(۱) تفسیر فتح العزیز (۲) عجالہ نافعہ (۳) بستان المحدثین (۴) فتاوٰی عزیزی، (۵) تحفہ اثناعشریہ (۶) سر الجلیل فی مسئلۃ التفضیل (۷) ملفوظات (۸) وسیلۃ النجاۃ (۹) عزیز الاقتباس فی فضائل اخیار الناس (۱۰) سر الشہادتین (۱۱) میزان العقائد

حضرت محدث دہلوی نے تیرہ سال کی عمر میں صرف ونحو، اصول فقہ، کالم، ہندسہ (جیومیٹری) ہیئت وغیرہ علوم میں مہارت حاصل کر لی تھی، فارسی، عربی اور عبرانی زبانوں پر عبور رکھتے تھے۔

ڈاکٹر ثریا ڈار لکھتی ہیں:

صاحب علم وعمل (وقائع عبدالقادر خانی ج ۲ ص ۲۴۶) لکھتے ہیں آپ علم تفسیر، حدیث، فقہ، سیرت اور تاریخ میں شہرۂ آفاق تھے۔ اور ہیئت، ہندسہ، مجسطی، مناظر، اصطرلاب، جرثقیل، طبعیات، الٰہیات، منطق، اتفاق، اختلاف ملل ونحل، قیافہ، تاویل، تطبیق مختلف اور تفریق مشتبہ میں یکتائے زمانہ تھے، فن ادب اور ہر قسم کے اشعار سمجھنے میں بلند مرتبہ رکھتے تھے۔ (۴)

تفسیر فتح العزیز

قرآن پاک کی تفسیر کرنے والے کے لیے درج ذیل علوم میں مہارت ضروری ہے:

(۱) لغت (۲) صرف (۳) نحو (۴) علوم بلاغت (علم معانی، بیان، بدیع)
(۵) اصول فقہ (۶) علم التوحید (۷) اسباب نزول کی معرفت (۸) قصص
(۹) ناسخ ومنسوخ (۱۰) قرآن کریم کے مجمل اور مبہم بیان کرنے والی احادیث (۱۱) علم وہبی

علم وہبی اس عالم باعمل کو عطا کیا جاتا ہے جس کے دل میں بدعت، تکبر، دنیا کی محبت اور گناہوں کی طرف میلان نہ پایا جاتا ہو۔ (۵)

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نہ صرف مذکورہ بالا علوم بلکہ ان کے علاوہ دیگر بہت سے علوم میں مہارتِ کاملہ رکھتے تھے۔

حضرت محدث دہلوی نے تفسیر فتح العزیز فارسی میں لکھی ہے جو اس وقت ہندوستان میں

عام رائج تھی، پہلے آیت کریمہ کا ترجمہ لکھتے ہیں پھر تفسیری مباحث بیان کرتے ہیں۔

محدث دہلوی علم وفضل کا بحر ذخار تھے متقدمین مفسرین کی تفسیروں پر ان کی وسیع نظر تھی، اصحاب معرفت کے بیانات ان کے پیش نظر تھے، اسی لیے وہ جس مسئلے پر بھی گفتگو کرتے ہیں اسکے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لے کر پورے وثوق اور اعتماد کے ساتھ فیصلہ صادر کرتے ہیں۔ ''اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنِ'' کا ترجمہ عام مفسرین کی طرح یہ کرتے ہیں کہ ہم تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں، اس کے بعد فرماتے ہیں کہ بعض اہل معرفت فرماتے ہیں کہ اس جگہ استعانت کا معنی مدد طلب کرنا نہیں ہے، بلکہ معاینہ کی طلب مراد ہے، یعنی اے اللہ! عبادت کرنا ہمارا کام ہے اور مشاہدہ عطا فرمانا اور عین الیقین کے مقام تک پہنچانا تیرا کام ہے۔

اس کے بعد حضرت شیخ سفیان ثوری کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ وہ ایک دن شام کی نماز پڑھا رہے تھے جب ''اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنِ'' پر پہنچے تو بیہوش ہوکر گر گئے، ہوش میں آنے پر لوگوں نے پوچھا کہ شیخ صاحب آپ کو کیا ہوگیا تھا؟ انہوں نے فرمایا: جب میں نے ''اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنِ'' پڑھا تو مجھے خوف ہوا کہ مجھے یہ کہا جائے کہ جھوٹے! پھر طبیب سے دوا، امیر سے روزی اور بادشاہ سے امداد کیوں مانگتے ہو؟

یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ اسی لیے بعض علماء کہتے ہیں کہ انسان کو شرم آنی چاہیے کہ وہ ہر دن اور رات میں اپنے رب کی بارگاہ میں کھڑا ہوکر جھوٹ بولے۔

ظاہر ہے کہ اگر آیت کریمہ کا یہی مطلب ہو تو کسی حاکم سے عدل وانصاف طلب نہیں کر سکتے اور کسی ڈاکٹر سے دوا بھی نہیں لے سکتے۔ اس طرح تو نظامِ زندگی معطل ہوکر رہ جائے گا۔ اس لیے حضرت محدث دہلوی فیصلہ کن انداز میں تحریر فرماتے ہیں:

''اس جگہ سمجھنا چاہیے کہ مخلوق سے اس طرح مدد طلب کرنا کہ بھروسہ اس پر ہو اور اسے اللہ تعالیٰ کی امداد کا مظہر نہ جانے تو یہ حرام ہے اور اگر توجہ محض اللہ تعالیٰ کی طرف ہو اور مخلوق کو اللہ تعالیٰ کی امداد کا مظہر جانتے ہوئے' کارخانہء اسباب اور اللہ تعالیٰ کی حکمت پر نظر کرتے ہوئے غیر سے ظاہری طور پر امداد طلب کرے تو یہ راہ عرفان سے دور نہیں ہوگا' شرع شریف میں بھی جائز ہے' انبیاء اور اولیاء نے بھی اس قسم کی استعانت غیر سے کی ہے۔ درحقیقت یہ استعانت غیر سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ سے ہے''۔ (۶)

قرآن پاک کے لطائف ونکات کا علم بحرِ ناپیدا کنار ہے اور ہر دن رو بہ ترقی ہے کیونکہ ہر صاحبِ فن اپنی استعداد کے مطابق اپنے فن کی مدد سے قرآن کریم سے نکات حاصل کرتا ہے۔ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ اس علم کا احاطہ دنیا میں ممکن نہیں ہے اس لیے ہم نے اس تفسیر میں اس عنوان پر گفتگو نہیں کی' لیکن سورۂ فاتحہ میں چند نکات بطور نمونہ بیان کرتے ہیں۔

بسم اللہ شریف کے بارے میں نکات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

''بادشاہوں کا یہ طریقہ ہے کہ جب اپنے لیے سامان یا گھوڑے خریدتے ہیں تو ان پر شاہی مہر لگا دیتے ہیں تاکہ چور اور ڈاکو اس مہر کو دیکھ کر دست درازی سے باز رہیں۔ انسان جب اطاعت و بندگی میں مصروف ہو تو اسے چاہیے کہ اپنے عمل پر خدائی مہر لگا لے یعنی اس سے پہلے بِسْمِ اللہ شریف پڑھ لے۔ کہتے ہیں کہ جب حضرت نوحؑ کشتی پر سوار ہوئے تو انہیں کشتی کے ڈوب جانے کا خطرہ تھا' اس خطرے سے بچاؤ کے لیے انہوں نے پڑھا'' بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖهَا

وَمُرْسٰهَا'' کشتی ڈوبنے سے محفوظ رہی۔ جب آدھی بسم اللہ شریف کی برکت سے نجات حاصل ہوگئی تو جو شخص ساری عمر ہر اچھے کام کی ابتداء میں پوری بسم اللہ پڑھتا رہے گا وہ کس طرح نجات سے محروم ہوگا؟''۔

کہتے ہیں کہ ایک عارف نے وصیت کی کہ بسم اللہ شریف لکھ کر میرے کفن میں رکھ دینا' لوگوں نے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا: میں نے سنا ہے کہ ایک فقیر نے اونچے اور بڑے دروازے پر کھڑے ہوکر صدائے سوال بلند کی' گھر والوں نے اسے معمولی سی خیرات دی' وہ واپس گیا اور کدال لاکر دروازے کو گرانا شروع کر دیا' گھر والے نے باہر آکر پوچھا کہ یہ کیا کر رہے ہو؟ اس نے کہا: یا تو دروازے کے سائز کے مطابق خیرات دو' یا خیرات کے مطابق دروازہ بنالو۔

عارف باللہ نے یہ واقعہ سنا کر فرمایا: بسم اللہ شریف اللہ تعالیٰ کی کتاب کا دروازہ ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ قیامت کے دن میرے پاس مضبوط دستاویز موجود ہو تا کہ اس سے درخواست کر سکوں کہ میرے ساتھ رحمت کا معاملہ فرمائے۔

نیز فرماتے ہیں کہ اہل علم نے فرمایا ہے کہ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کے انیس حروف ہیں اور دوزخ پر مقرر کردہ فرشتے بھی انیس ہیں' ہر حرف کے ذریعے ان میں سے ایک کی ضرر کو دور کیا جا سکتا ہے۔ نیز یہ بھی فرماتے ہیں کہ دن رات کی چوبیس ساعتیں ہیں' پانچ ساعتوں کے لیے پانچ نمازیں مقرر ہیں' باقی انیس ساعتوں کے لیے یہ انیس حروف دئے گئے ہیں تا کہ ہر نشست و برخاست اور ہر حرکت و سکون میں انیس ساعتوں کو ان انیس حروف کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مصروف رکھا جائے۔

علماء یہ بھی فرماتے ہیں کہ سورۃ برائت جو کفار کے قتل کے حکم پر مشتمل ہے۔بسم اللہ شریف سے خالی رکھی گئی ہے۔ذبح کے وقت بھی بسم اللہِ اللہ اکبر کہتے ہیں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہیں پڑھتے کیونکہ صورتِ ذبح صورتِ قہر ہے' رحمت اس کا تقاضا نہیں کرتی' پس جو شخص اس کلمہء رحمت کو ہر وقت اور ہر آن پڑھتا رہے' زیادہ نہیں تو کم از کم ہر دن فرض نماز کی سترہ رکعتوں میں اسے اپنی زبان سے ادا کرتا رہے' یقین ہے کہ وہ غضب اور عذاب سے محفوظ رہے اور رحمت وثواب سے محظوظ ہوے۔

حضرت محدث دہلوی قرآن پاک کی تفسیر قرآن وحدیث اور ارشادات ائمہ مفسرین سے کرتے ہیں' ائمہ تصوف کے اقوال بھی پیش کرتے ہیں' لغوی تحقیق پیش کرتے ہیں' صرفی اور نحوی تحقیقات بھی پیش کرتے ہیں اور آیات کریمہ کے بارے میں وارد ہونے والے سوالات کے جوابات دیتے ہیں' مذہب حنفی کی تائید وتقویت کے لیے قرآن وحدیث سے دلائل پیش کرتے ہیں۔موقع محل کے مطابق تاریخی واقعات بھی پیش کرتے ہیں۔قرآن پاک کی بلاغت پر بھی اظہار خیال کرتے ہیں' مسلک اہل سنت و جماعت کی حقانیت دلائل کی روشنی میں بیان کرتے ہیں۔غرض یہ ہے کہ کسی پہلو کو تشنہ نہیں چھوڑتے اور لطف یہ کہ طوالت سے دامن بچاتے ہوئے گزر جاتے ہیں۔حضرت مولانا مفتی محمد حسین نعیمی نے ایک دفعہ فرمایا کہ ''اگر یہ تفسیر مکمل ہوتی تو سب سے بہتر تفسیر ہوتی''۔

تفسیر عزیزی میں آیت کریمہ '' وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ''کے تحت جو کچھ تحریر کیا گیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ جانور حرام ہے جس کے بارے میں اعلان کیا گیا ہو اور تشہیر کی گئی ہو کہ وہ غیر خدا کے لیے ہے' خواہ وہ غیر بت ہو یا روح خبیث ......خواہ پیر ہو یا پیغمبر اس طرح زندہ جانور کو مقرر کر کے دیتے ہیں' یہ سب حرام ہے' حدیث صحیح میں وارد ہے کہ '' مَلْعُوْنٌ ' مَنْ ذَبَحَ لِغَيْرِ اللّٰهِ '' جو شخص جانور کے ذبح سے غیر خدا کا تقرب حاصل کرے وہ ملعون ہے۔ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام

لے یا نہ کیونکہ جب مشہور کر دیا کہ یہ جانور فلاں کے لیے ہے تو ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کے نام لینا فائدہ نہ دے گا۔ وہ جانور کتے اور خنزیر کی طرح ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ بھی ذبح کیا جائے تو وہ حلال نہیں ہوتے..... اس عبارت میں اہلال کو ذبح کے معنی میں لینا پھر لِغَیْرِ اللہ (غیر اللہ کے لیے) کی بجائے غیر اللہ کے نام سے قرار دینا تقریباً کلام الٰہی کی تحریف تک پہنچاتا ہے (ملخصا)۔ (۸)

حضرت پیر سید مہر علی شاہ گولڑویؒ نے اس تقریر کو شاہ صاحب کی ذاتی رائے قرار دیا ہے اور فرمایا کہ یہ تفاسیر اور لغت کے خلاف ہے۔ (۹)

امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کی اولاد امجاد میں سے شاہ رؤف احمد نقشبندی کے ایک تلامذہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے تفسیر رؤفی میں ''وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللهِ'' یہ لکھا کہ جو جانور ذبح کیا جاوے بنام غیر خدا' اس کے بعد نو معروف تفسیروں کی عبارات مع ترجمہ نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

> ''جانا (جاننا) چاہیے کہ تفسیر فتح العزیز میں کسی عدو نے الحاق کر دیا ہے اور یوں لکھا ہے کہ اگر کسی بکری کو غیر کے نام سے منسوب کیا ہو تو بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کرنے سے وہ حلال نہیں ہوتی اور غیر کے نام کی تاثیر اس میں ایسی ہو گئی ہے کہ اللہ کے نام کا اثر ذبح کے وقت حلال کرنے کے واسطے بالکل نہیں ہوتا۔ سو یہ بات کسی نے ملا دی ہے''۔ (۱۰)

شاہ رؤف احمد نقشبندی نے اس عبارت کو الحاقی قرار دیا ہے' اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے والد ماجد شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے آیت کریمہ وما

اھل بہ لغیر اللہ (۲/۱۷۳) کا ترجمہ یہ کیا ہے۔

وآنچہ آواز بلند کردہ شود در ذبح وے بغیر خدا (فتح الرحمٰن فی ترجمۃ القرآن)

قابلِ غور بات یہ ہے کہ کیا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا ترجمہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے پیشِ نظر نہ تھا؟ اگر تھا تو وہ کیسے کہہ سکتے ہیں؟ کہ یہ ترجمہ تحریف قرآن کے قریب ہے جیسے کہ تفسیر عزیزی کے مذکورہ بالا اقتباس میں کہا گیا ہے۔

تفسیر عزیزی کے اس مقام میں غور کیا جائے تو بھی بات واضح ہو جاتی ہے فرماتے ہیں:

''شریعت میں اصحاب قبور کو نفع پہنچانے کا طریقہ یہ قرار پایا جاتا ہے کہ اموال مستحقین میں تقسیم کر کے ثواب انہیں پہنچا دیں۔ جانور کی جان سے انسان زندگی میں نفع حاصل نہیں کر سکتا' وفات کے بعد بھی نفع حاصل نہیں کر سکتا' ہاں میت کی طرف سے قربانی کرنے کا ذکر حدیث صحیح میں آیا ہے' لیکن اس کا معنی یہی ہے کہ (ذبیحہ کی) جان دینا اللہ تعالیٰ کے لیے ہے' اور اس کا ثواب میت کو پہنچایا جائے' یہ مطلب نہیں کہ ذبح ہی میت کے لیے کیا جائے''۔ (۱۱)

اس کا صاف صاف مطلب یہ ہے کہ جانور کو میت کے لیے ذبح کیا جائے تو حرام ہے' اور اگر ذبح اللہ تعالیٰ کے لیے کیا جائے اور اس کا ثواب میت کو پہنچایا جائے تو جائز ہے۔

شاہ صاحب فتاوٰی عزیزی میں نقل کرتے ہیں کہ ہم کسی مسلمان کے بارے میں یہ برا گمان نہیں کر سکتے کہ وہ ذبح کے ذریعے کسی انسان کا تقرب حاصل کرے گا۔ (۱۲)

فتاوٰی عزیزی میں ایک سوال اور اس کا جواب ملاحظہ فرمائیں:

سوال: ایک شخص نے نیت کی کہ اگر یہ کام میری حاجت کے مطابق پورا ہو گیا تو ایک گائے سید احمد کبیر یا بکری شیخ سدو وغیرہما کے نام کی دوں گا' حاجت پوری ہو جانے کے بعد گائے اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ذبح کی۔ حالانکہ اس کی نیت میں گائے سید احمد اور شیخ سدو کی طرف منسوب تھی' اس گائے کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟ (ملخصا)

جواب: ذبیحہ کے حلال اور حرام ہونے کا دارومدار ذبح کرنے والے کی نیت پر ہے اگر اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کی نیت سے یا دیگر مباح امور کے لیے ذبح کرے تو حلال ہے ورنہ حرام ہے۔[۱۳]

اس گفتگو کا مقصد صرف اس امر کا جائزہ لینا ہے کہ حضرت محدث دہلوی کا اس مسئلے میں موقف کیا ہے؟ بحث وتمحیص کا دروازہ کھولنا مقصود نہیں ہے۔

حضرت محدث دہلوی نے ۱۲۰۸ھ ۱۷۹۳ء میں شیخ مصدق عبداللہ ؒ مرید حضرت مولانا فخرالدین دہلوی ؒ کی فرمائش پر املا کروائی' انہوں نے درخواست کی کہ آپ سورۂ فاتحہ اور آخری دو پاروں کی تفسیر لکھ دیں کیونکہ اکثر مسلمان پانچ نمازوں' جمعہ' جماعتوں' انبیاء واولیاء کی ارواح مقدسہ کے محاضر (یعنی ایصال ثواب کی محافل) اور اولیاء و عارفین کی قبروں کی زیارت کے وقت ان سورتوں کی تلاوت کی سعادت حاصل کرتے ہیں اور ان کے مطالب ومعانی کے جاننے کا شوق رکھتے ہیں۔ پھر سورۂ بقرہ کی تفسیر کی فرمائش کی۔

شاہ صاحب نے مختلف امراض اور ضعف دل ودماغ میں مبتلا ہونے کے باوجود اس وقت ہندوستان میں رائج سلیس فارسی میں تفسیر لکھوانا شروع کی' صرف ونحو کی طویل ابحاث' دوراز کار توجیہات اور غیر معتبر روایات سے گریز کرتے ہوئے املاء کرواتے رہے اور لطف یہ کہ کسی کتاب کی طرف رجوع نہیں کیا اور نہ ہی مسودہ اور مبیضہ تیار کرنے کی ضرورت محسوس کی۔[۱۴] اس

کے باوجود یہ تفسیر عوام ہی نہیں علماء کے نزدیک بھی مقبول و معتبر ہے۔ اگر صحت و تندرستی کے زمانے میں تفاسیر کا مطالعہ کر کے لکھتے تو اس تفسیر کا کیا عالم ہوتا؟

حقیقت یہ ہے کہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور ان کے برادران محترم کی مساعی جمیلہ سے متحدہ ہندوستان کے مدارس میں قرآن و حدیث کی تعلیم کو بے مثال فروغ ملا۔ ایک ایسے ماحول میں جب قرآن و حدیث کو صرف بابرکت کتاب کے طور پر اپنے پاس رکھا جاتا تھا، بیماروں کو آیات قرآنیہ سے دم کیا جاتا، قریب المرگ افراد کے سرہانے سورۂ یٰسین پڑھی جاتی اور دنیا سے رخصت ہونے والوں کے لیے ایصالِ ثواب کے طور پر قرآن پاک کی تلاوت کی جاتی تھی۔ بقول اقبال؎

بآیاتش ترا کارے جزیں نیست
کہ از یٰسین او آساں بمیری

شاہ صاحب کی مساعی جمیلہ سے مسجدیں اور مدارس آباد ہو گئے، قال اللہ وقال الرسول کی صدائیں بلند ہونے لگیں اور مسلمانوں کی بڑی تعداد قرآن و حدیث کے مطالب و معانی سمجھنے میں مصروف ہوئی اور کامیاب ہوئی۔ آج ان کا فیض تمام دینی مدارس اور عوام و خواص تک پہنچ رہا ہے۔

تفسیر عزیزی کے مذکورہ بالا اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے سورۂ فاتحہ، سورۂ بقرہ اور آخری دو پاروں کی تفسیر لکھوائی تھی۔ جب کہ مطبوعہ تفسیر میں سورۂ بقرہ کے تیئیسویں رکوع کی دوسری آیت کی نامکمل تفسیر پر ختم ہو جاتی ہے اور آخری جملہ بھی مکمل نہیں ہے۔

اس کے برعکس بعض اہلِ علم کا خیال یہ ہے کہ شاہ صاحب نے پوری تفسیر لکھی تھی، لیکن اس کا

اکثر حصہ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں ضائع ہوگیا۔ اس کی تائید اس امر سے ہوتی ہے کہ پہلی دو سورتوں اور آخری دو پاروں کی تفسیر انہوں نے ۱۲۰۸ھ میں لکھی تھی اور ۱۲۳۹ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ اکتیس سال کے طویل عرصے میں انہوں نے ضرور تفسیر کا مزید کام کیا ہوگا۔

علاوہ ازیں فتاوٰی عزیزی میں سورۂ مومنون، سورۂ النساء، سورۂ الصافات وغیرہ کی آیات کریمہ کی تفسیر، تفسیر فتح العزیز سے نقل کی گئی ہے۔ (۱۵) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے قرآن پاک کے باقی حصے کی تفسیر بھی لکھی تھی جو محفوظ نہ رہ سکی۔ فتاوٰی عزیزی میں تفسیر کے جو اقتباسات دیئے گئے ہیں وہ عربی میں ہیں۔

پروفیسر عضدالدین نے لکھا ہے کہ اس تفسیر کے چند اوراق قلمی شکل میں ندوۃ العلماء لکھنؤ کے کتب خانے میں نمبر ۲۲۷ کے تحت موجود ہیں اور یہ اوراق شاہ عبدالعزیز دہلوی کے نام اور اس میں سورۂ مائدہ کی آیت ۳۷ کی تفسیر ملتی ہے، اس مخطوطے پر ۱۲۲۷ھ درج ہے۔

مزید لکھتے ہیں کہ یہی تفسیر مجھے اپنے ایک محترم بزرگ مولانا مسیح الزمان صاحب قاسمی کے ذاتی کتب خانے میں ملی ہے جو سورۂ المؤمنون سے لے کر سورۂ یٰسین تک کی فارسی تفسیر اور ۲۵۹ صفحات پر مشتمل ہے، یہ کتاب مطبع انصاری دہلی سے شائع ہو چکی ہے لیکن اس پر سنِ طباعت درج نہیں ہے۔ (۱۶)

مختصر یہ کہ تفسیر عزیزی کا جتنا حصہ بھی دستیاب ہے اس لائق ہے کہ ارباب علم و فضل اسے اپنی آنکھوں کا سرمہ بنائیں، دل میں بسائیں اور اسی انداز پر قرآن پاک کا مطالعہ کریں۔ خود شاہ صاحب نے بھی اس تفسیر پر فرحت و انبساط کا اظہار کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

(''آرے تفسیر فتح العزیز وامثال ایں تصانیف را اگر بفقیر

نسبت کند موجب شادمانئ خاطر میگردد''(۱۷)

(ہاں اگر تفسیر فتح العزیز اور اس جیسی تصانیف کی نسبت اس فقیر کی طرف کریں تو یہ راحت قلبی کا باعث ہوگا۔)

حیات مبارکہ نے آخری دنوں میں شدید علالت کے باوجود وعظ فرمایا اور اس میں مشہور مصرع ''من نیز حاضرمی شوم تصویر جاناں دربغل'' کو کسی قدر تبدیلی کے ساتھ یوں پڑھا۔

من نیز حاضرمی شوم تفسیر قرآں دربغل

شاہ صاحب نے اس وعظ میں آیۃ کریمہ ''ذوی القربیٰ والیتامیٰ والمساکین وابن السبیل'' پر وعظ فرمایا اور آیت مبارکہ کے مطابق اپنا مال تقسیم کیا اور وصیت کی کہ:

''جیسے کپڑے میں زندگی میں پہنتا رہا ہوں ایسے ہی کپڑوں میں مجھے کفن پہنایا جائے' نماز جنازہ شہر سے باہر ادا کی جائے اور بادشاہ کو جنازہ میں حاضر ہونے سے منع کردیا جائے''۔(۱۸)

۱۷ شوال ۱۲۳۹ھ/۱۸۲۲ء بروز اتوار آفتاب علم وعرفان' سراج الھند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ اس دار فانی سے رحلت فرما گئے' لوگوں کا اس قدر ہجوم تھا کہ پچپن بار نماز جنازہ ادا کی گئی اور ترکمان دروازہ دہلی کے باہر والد ماجد کے پہلو میں آپ کی آخری آرام گاہ بنائی گئی۔

حکیم مومن خان مومن دہلوی نے قطعۂ تاریخ وفات لکھا جس کا تاریخی شعر یہ ہے۔

دستِ بیداد اجل سے بے سرو پا ہو گئے

فقر و دیں فضل و ہنر لطف و کرم علم و عمل (۱۹)

دوسرے مصرع کے ہر لفظ کا پہلا اور آخری حرف حذف کر دیجئے' درمیانے حروف کو جمع کر لیجئے تو ابجد کے حساب سے ۱۲۳۹ کا عدد حاصل ہوگا اور یہی حضرت محدث دہلوی کا سال وفات ہے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ وامطر علیہ شآبیب رحمتہ وافاض علینا من معارفہ وفیوضہ۔ آمین یارب العالمین وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وخیر خلقہ محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ محمد بیگ، مولانا: مقدمہ فتاوی عزیزی (ط: مجتبائی، دہلی) ص ۵۔۲

۲۔ محمود احمد قادری، مولانا: تذکرہ علمائے اہل سنت (طبع فیصل آباد) ص ۱۴۲

۳۔ محمد بیگ، مولانا: مقدمہ فتاوی عزیزی ص ۴

۴۔ ثریا ڈار، ڈاکٹر: شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور ان کی خدمات (ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور) ص ۲۵۲

۵۔ محمد عبدالعظیم منذری، علامہ: مناھل العرفان

۶۔ عبدالعزیز محدث دہلوی، شاہ: تفسیر عزیزی (طبع دہلی) پ ۱ ص ۸

۷۔ عبدالعزیز محدث دہلوی، شاہ: تفسیر عزیزی فارسی پ ۱ ص ۱۴۔۱۳

۸۔ عبدالعزیز محدث دہلوی، شاہ: تفسیر عزیزی پ ۱ ص ۱۱۔۶۱۰

۹۔ سید مہر علی شاہ گولڑوی، پیر طریقت: اعلاء کلمۃ اللہ فی بیان ما اھل بہ لغیر اللہ (گولڑہ شریف ۱۹۶۵ء) ص ۷۷

۱۰۔ رؤف احمد نقشبندی مجددی، شاہ: تفسیر رؤفی (مطبع فتح الکریم، بمبئی ۱۸۸۷ء) ج ۱ ص ۱۳۹

۱۱۔ عبدالعزیز محدث دہلوی، شاہ: تفسیر عزیزی پ ۱ ص ۶۱۰

۱۲۔ عبدالعزیز محدث دہلوی، شاہ: فتاوی عزیزی (طبع مجتبائی، دہلی) ص ۲۲

۱۳۔ عبدالعزیز محدث دہلوی، شاہ: فتاوی عزیزی ج ۱ ص ۲۱

۱۴۔ ایضاً ص ۳

۱۵۔ عبدالعزیز محدث دہلوی، شاہ: فتاوی عزیزی فارسی (مجتبائی، دہلی) ج ۲ ص ۴۶۔۳۳

۱۶۔ ثریا ڈار، ڈاکٹر: شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور ان کی علمی خدمات ص ۲۵۶

۱۷۔ عبدالعزیز محدث دہلوی، شاہ: فتاوی عزیزی، فارسی ج ۱ ص ۱۳۱

۱۸۔ محمد بیگ، مولانا: مقدمہ فتاوی عزیزی فارسی ج ۱ ص ۹

۱۹۔ محمد بیگ، مولانا: مقدمہ فتاوی عزیزی فارسی ج ۱ ص ۱۰

حدیث و سیرت

تخریج حدیث کے اسالیب ومناہج

تحریر: ڈاکٹر علی اصغر چشتی ☆

لفظی اعتبار سے ''تخریج'' خرج سے ہے۔ جس کے معنی ظہور اور نکل کر سامنے آنے کے ہیں۔ عربی محاورہ میں جب کسی شخص کی صلاحیت کھل کر سامنے آجاتی ہے تو کہتے ہیں: ''خرج نجم خوارج فلان''۔ اسی طرح جب آسمان سے بادل چھٹ جاتے ہیں تو کہا جاتا ہے: ''خرجت السماء خروجاً''۔ طالبعلم جب تعلیمی مراحل طے کر کے ڈگری حاصل کرتا ہے تو کہا جاتا ہے۔ خرج فی العلم''۔

اصطلاحی مفہوم:

علمائے حدیث کے ہاں تخریج سے مراد کسی حدیث کا پوری سند کے ساتھ نقل کرنے کے ہیں۔ یہ حضرات جب کہتے ہیں: ''هذا الحديث أخرجه فلان''۔ تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ اس حدیث کو فلاں شیخ نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے۔

شیخ جمال الدین قاسمی لکھتے ہیں:

> كثيراً ما يقولون بعد سوق الحديث: ''خرجه فلان أو اخرجه'' بمعنى ذكره۔ فالمخرج اسم فاعل هو ذاكر الرواية كالبخاري''۔ (۱)

اکثر و بیشتر علماء حدیث جب حدیث روایت کرتے ہیں۔ تو اس کے بعد کہتے ہیں: اس کی تخریج فلاں شیخ نے کی ہے۔ اس صورت میں ''تخریج'' سے مراد حدیث ذکر کرنے کے ہوتے ہیں۔ یہاں مخرج اسم فاعل ہے یعنی حدیث ذکر کرنے والا۔ مثلاً اگر تخریج امام بخاری نے کی ہو تو وہ مخرج

☆ ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ حدیث وسیرت۔ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

کہلائیں گے۔امام مسلم نے کی ہوتو وہ مخرج کہلائیں گے۔امام ترمذی نے کی ہوتو وہ مخرج کہلائیں گے۔وغیرہ وغیرہ۔

تخریج کے معنی حدیث کو اس شیخ کی طرف منسوب کرنے کے بھی ہیں۔جس نے اپنے مجموعہ میں اس حدیث کو پوری سند کے ساتھ اخذ کیا ہو۔محدثین حضرات جب کہتے ہیں: خرج احادیث کتاب کذا" تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ فلاں شیخ نے فلاں کتاب کی روایات کو اس کے اصل مؤلف کی طرف منسوب کیا اور ان کی حیثیت پر کلام کیا۔

شیخ مناوی اپنی کتاب فیض القدیر میں لکھتے ہیں:

"عزو الاحادیث إلی مخرجیها من ائمة الحدیث من الجوامع و السنن و المسانید"۔ (۲)

تخریج کا اصطلاحی مفہوم یہ ہے کہ روایات کو ان ائمہ حدیث کی طرف منسوب کیا جائے جنہوں نے ان احادیث کو جوامع، سنن اور مسانید میں سنداً نقل کیا ہو اور ان احادیث پر اس پہلو سے کلام کیا جائے کہ ان کے درجہ استناد کا تعین ہو سکے۔

تخریج کی غرض وغایت:

تخریج کے ذریعہ حدیث کے مآخذ تک رسائی حاصل ہوتی ہے اور قابلِ رد یا قابلِ قبول ہونے کے لحاظ سے اس کی حیثیت معلوم ہوتی ہے۔

تخریج کے فوائد:

تخریج کے فوائد ان گنت ہیں یہاں ان چند کا تذکرہ کیا جاتا ہے جو بنیادی اہمیت کے حامل ہیں۔

مصدر حدیث کی پہچان:

تخریج کے ذریعہ محقق باآسانی حدیث کے بنیادی مآخذ تک پہنچ جاتا ہے۔اس کو مطلوبہ

حدیث کا درجہ اور حیثیت معلوم ہو جاتی ہے اور وہ اطمینان کے ساتھ اس حدیث کو اپنے ہاں نقل کر لیتا ہے۔

حدیث کی مختلف اسانید کی پہچان:

تخریج کے ذریعہ محقق کے سامنے حدیث کی وہ تمام اسانید آ جاتی ہیں۔ جو مختلف کتب حدیث یا ایک کتاب میں مختلف مقامات پر موجود ہوتی ہیں۔ اس طرح مطلوبہ حدیث کی اسانید کو مدنظر رکھ کر محقق اس کے مختلف پہلوؤں پر بحث کر سکتا ہے۔

تقابل اسناد:

تخریج کے ذریعہ محقق طالب علم حدیث کی مختلف اسناد کا تقابل کر سکتا ہے اور دیکھ سکتا ہے کہ کس سند کے رواۃ صحت کے لحاظ سے زیادہ معتمد ہیں، اور کس سند کے رجال میں نقص یا سقم پایا جاتا ہے۔

حدیث کا درجہ استناد:

تخریج کے ذریعہ روایت کی مختلف اسناد سامنے آ جاتی ہیں۔ جس کی بنا پر حدیث کا درجہ ء استناد معلوم کرنے میں سہولت ہو جاتی ہے۔ بعض مرتبہ حدیث کی ایک سند میں کہیں نقص ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ درجہ استناد سے گر جاتی ہے لیکن اس کی دوسری سند میں وہ نقص نہیں ہوتا۔ یا ایک حدیث جب کئی اسناد سے مروی ہوتی ہے تو علماء حدیث کثرتِ طرق کی بناء پر اسے قبول کر لیتے ہیں اور اسے قابل اخذ و قابل استدلال ہونے کا درجہ دے دیتے ہیں۔

اہمال کا ازالہ:

بعض اسناد ایسی ہوتی ہیں جن کے راوی مہمل ہوتے ہیں مثلاً "عن محمد" یا "حدثنا خالد"، جس کی وجہ سے سند میں صراحت نہیں ہوتی۔ تخریج کے ذریعہ اس قسم کے اہمال کا ازالہ ہو جاتا

ہے اور راوی کی تفصیل معلوم ہو جاتی ہے۔

ابہام کا ازالہ:

بعض مرتبہ سند میں ابہام ہوتا ہے۔ مثلاً ''عن رجل'' یا ''عن فلان'' یا ''جاء رجل الی النبی ﷺ''۔ اس صورت میں ''رجل'' اور ''فلان'' سے کوئی اندازہ نہیں ہوتا۔ تخریج کے ذریعہ جب مختلف اسانید جمع ہو جاتی ہیں تو سند میں اس قسم کے ابہام کا ازالہ ہو جاتا ہے۔

سند معنعن کی وضاحت:

جس سند میں راوی نے ''عن'' کا صیغہ استعمال کیا ہو تو اس صورت میں اس بات کی وضاحت نہیں ہوتی کہ راوی نے اپنے شیخ سے کس طرح استفادہ کیا ہے۔ سند معنعن میں چونکہ انقطاع کا احتمال ہوتا ہے اس لیے علماء حدیث ایسی سند کو تحقیق کے بغیر قبول نہیں کرتے۔ تخریج کے ذریعہ جب حدیث معنعن کی مختلف اسناد جمع ہو جاتی ہیں تو عام طور پر کسی ایک سند میں صیغہ ''عن'' کی وضاحت مل جاتی ہے اور اس طرح انقطاع کا وہ احتمال ختم ہو جاتا ہے جو محض ایک سند کی بنا پر موجود ہوتا ہے۔

راوی کی سقم اور نقص کی پہچان:

بعض رواۃ ایسے ہیں جن کے بارے میں علماء رجال نے وضاحت کی ہے کہ وہ عمر کے آخری حصہ میں بیماری یا ضعف کی وجہ سے ''ضابط'' نہیں رہے۔ ایسے رواۃ کی روایات کے بارے میں یہ شبہ رہتا ہے کہ آیا اس نوع کے راوی کی روایت قابل قبول ہے یا قابل رد ہے۔ تخریج کے ذریعہ چونکہ بہت ساری اسناد محقق کے سامنے آجاتی ہیں اس لیے وہ ایسے رواۃ کی روایات کی بڑی آسانی کے ساتھ جانچ پڑتال کر سکتا ہے اور صحیح وضعیف روایات کو الگ الگ کر سکتا ہے۔

راوی کی تعیین:

حدیث کے رواۃ میں بہت سارے راوی ایسے ہیں جو محض اپنی کنیت سے مشہور ہیں۔ اور

بہت سارے ایسے ہیں جن کی کنیت میں اشتراک ہے۔کنیت میں اشتراک کی وجہ سے راوی کی تعیین مشکل ہو جاتی ہے۔تخریج کے ذریعہ راوی کی کنیت، اس کا نام اور دیگر تفصیلات بھی سامنے آجاتی ہیں اس لیے اس کی تعیین میں جو التباس ہوتا ہے وہ دور ہو جاتا ہے۔

زیادۃِ راوی کی پہچان:

بعض مرتبہ حدیث کے ایک متن میں کمی ہوتی ہے۔اور دوسرے طریقے سے وارد شدہ متن میں اضافہ ہوتا ہے۔اس صورت میں بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ متن کے ضبط میں کمی بیشی ہوئی ہے۔ حالانکہ اس کی وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ راوی نے متن میں وضاحت کی خاطر الفاظ وکلمات کا اضافہ اپنی طرف سے کر دیا ہو۔تخریج کے ذریعے اس قسم کے اضافات سامنے آجاتے ہیں اور روایت کے متن کی اصل تصویر نمایاں ہو جاتی ہے۔

مشکل الفاظ کی وضاحت:

ذخیرۂ حدیث میں ایسے الفاظ وکلمات بھی موجود ہیں جن کے صحیح مفہوم تک رسائی میں دقت محسوس ہوتی ہے۔عام طور پر اس قسم کے الفاظ وکلمات اگر ایک سند کے متن میں آئے ہوں تو دوسری سند کے متن میں ان کی وضاحت بھی مل جاتی ہے۔تخریج کے ذریعہ ایک حدیث کی مختلف اسناد کے مطالعہ سے اس قسم کی دقتیں حل ہو جاتی ہیں۔اور محقق با آسانی اس متن کا مفہوم سمجھ لیتا ہے۔جس میں غریب کلمات استعمال ہوئے ہوں۔

روایۃ باللفظ کی پہچان:

علماء حدیث کے ہاں چونکہ روایۃ باللفظ اور روایۃ بالمعنی دونوں جائز ہیں اس لیے ذخیرۂ حدیث میں ایسی روایات موجود ہیں جنھیں رواۃ نے لفظاً اخذ کیا ہے۔تخریج کے ذریعہ جب مختلف اسناد اور متون جمع ہو جاتے ہیں تو محقق با آسانی سمجھ لیتا ہے کہ کون سا متن لفظاً اخذ کیا گیا ہے اور کون سا معنًی ضبط کیا گیا ہے۔

کتابت میں کمی بیشی:

حدیث کی روایات مخطوطات کی شکل میں پھیلی ہیں۔ان مخطوطات کی کتابت اور ترتیب میں رواۃ حدیث نے انتہائی عرق ریزی اور دیانت سے کام لیا ہے۔لیکن پھر بھی انسان خطا کا پتلا ہے۔بعض مرتبہ شیخ کے الفاظ کتابت سے بوجوہ گر جاتے ہیں اور راوی کو ان کے گرنے کا اندازہ نہیں ہوتا۔تخریج کے ذریعے چونکہ ایک حدیث کے مختلف متون اور اسناد یکجا ہو جاتی ہیں۔اس لیے اگر کسی راوی سے کمی بیشی ہوئی ہو تو دوسرے راوی کی نقل کردہ متن سے اس کا ازالہ ہو جاتا ہے۔

ان تمام فوائد کو مدنظر رکھ کر کہا جا سکتا ہے کہ تخریج کے ذریعہ کسی حدیث کے مندرجہ ذیل دونوں پہلو کھل کر سامنے آجاتے ہیں۔

(i) اسناد جمع ہونے کی وجہ سے اسنادی پہلو۔

(ii) متون جمع ہونے کی وجہ سے لفظی پہلو۔

حدیث چونکہ سند اور متن سے مرکب ہوتی ہے اس لیے حدیث کے جس طالب علم کی رسائی اسناد اور متون تک ہو جائے تو اس کے لیے علم حدیث کے مراجع اور مآخذ سے استفادہ بہت آسان ہو جاتا ہے۔''تخریج'' ایک مستقل فن ہے اس کا تعلق چونکہ مشق اور ممارستہ سے ہے۔اس لیے طلبہ کو چاہیے کہ وہ ابتدا میں چند روایات لے کر ان کی تخریج کی کوشش کریں۔ابتدا میں تخریج کرتے وقت دقت اور گھٹن محسوس ہوتی ہے لیکن جب اس فن کے ساتھ مناسبت ہو جاتی ہے تو یہ بہت مفید اور دلچسپ فن ہے۔ذیل میں تخریج کے فوائد کی مزید وضاحت کے پیش نظر چند نمونے پیش کئے جاتے ہیں۔

مثال نمبر ۱:

روی عن المغیرۃ بن شعبة قال: ''وضأت النبی ﷺ فی غزوۃ تبوك، فمسح أعلی الخفینن وأسفلهما''۔

اس حدیث کو جب ہم نے تخریج کے پہلو سے دیکھا۔تو معلوم ہوا کہ اسے امام ترمذی نے

اپنی جامع میں، امام ابوداؤد نے اپنی سنن میں اور امام ابن ماجہ نے اپنی سنن میں ذکر کیا ہے۔

ذیل میں ہم تینوں مآخذ سے پوری سند کے ساتھ روایت نقل کریں گے۔ اور پھر بتائیں گے کہ اس حدیث کی تخریج سے ہمیں کون سے فوائد حاصل ہوئے۔

امام ترمذی نے اپنی جامع میں اس حدیث کو اس طرح اخذ کیا ہے۔

حدثنا ابو الو لید الدمشقی، حدثنا الولید بن مسلم، أخبر نی ثور بن یزید، عن رجاء بن حیوة، عن کاتب المغیرة، عن المغیرة بن شعبة: "أن النبی ﷺ مسح أعلی الخف و أسفله"۔(۳)

امام ابوداؤد سجستانی نے اپنی سنن میں اس روایت کو یوں نقل کیا ہے۔

"حدثنا موسی بن مروان و محمود بن خالد الدمشقی، قالا حدثنا الولید، قال محمود۔ قال اخبرنا ثور بن یزید، عن رجاء بن حیوه عن کاتب المغیرة بن شعبة، عن المغیرة بن شعبة قال: وضأت النبی ﷺ فی غزوة تبوك فَمَسح علی الخفین و أسفلهما"۔(٤)

امام ابن ماجہ نے اپنی سنن میں اس حدیث کو اس طرح ذکر کیا ہے:

حدثنا هشام بن عمار، ثنا الولید بن مسلم، ثنا ثور بن یزید، عن رجاء بن حیوة، عن وراد۔ کاتب المغیرة بن شعبة۔ عن المغیرة بن شعبة: أن رسول ﷺ مسح أعلی الخف و أسفله"۔(۵)

اس حدیث کی تخریج سے جو فوائد سامنے آئے انھیں ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔

فائدہ نمبر (۱):

تخریج کے ذریعے ہمیں معلوم ہوا کہ اس حدیث کو تین ائمہ حدیث نے اپنے ہاں ذکر کیا

ہے۔امام ترمذی نے اپنی جامع میں،امام ابوداؤد نے اپنی سنن اور امام ابن ماجہ نے اپنی سنن میں۔

(۲)۔ سنن ابوداؤد میں یہ حدیث جس سند کے ساتھ وارد ہوئی ہے۔اس میں امام ابوداؤد کے دونوں شیوخ موسیٰ بن مروان اور محمود بن خالد دمشقی نے اپنے شیخ ''ولید'' سے روایت اخذ کی ہے۔اس سند میں ''ولید'' کے بارے میں اہمال پایا جاتا ہے۔لیکن اس اہمال کا ازالہ امام ترمذی اور امام ابن ماجہ کی اسناد سے باآسانی ہوجاتا ہے۔ان دونوں ائمہ کے ہاں سند میں ''ولید'' کی وضاحت موجود ہے۔یعنی ''ولید بن مسلم''۔

(۳)۔ امام ترمذی اور امام ابوداؤد کے ہاں ''کاتب المغیرۃ'' کی وضاحت موجود نہیں۔جس کی وجہ سے سند میں اس پوائنٹ پر ابہام پایا جاتا ہے۔یہ ابہام امام ابن ماجہ کی سند کے ذریعے دور ہوجاتا ہے اس لیے کہ امام ابن ماجہ کی سنن میں جس سند کے ساتھ یہ حدیث نقل ہوئی ہے۔اس میں کاتب المغیرۃ کا نام ''وراد'' بتایا گیا ہے۔وراد کو ابن حبان نے ثقات میں شمار کیا ہے،اور جمہور علماء رجال کے نزدیک ثقہ وعادل ہیں۔

(۴)۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو نقل کرلینے کے بعد کہا ہے: یہ حدیث معلول ہے اس لیے کہ ولید بن مسلم کے علاوہ ثور بن یزید سے اسے سنداً کسی نے بھی اخذ نہیں کیا ہے،میں نے امام ابوزرعہ اور امام محمد بن اسماعیل البخاری سے اس کی بابت معلوم کیا۔تو ان دونوں شیوخ نے بتایا کہ یہ حدیث صحیح نہیں۔کیونکہ ابن مبارک نے اسے ثور بن یزید اور انہوں نے رجاء بن حیوہ سے اخذ کیا ہے۔رجاء بن حیوہ کو یہ حدیث وراد (کاتب المغیرۃ) سے ملی ہے۔وراد نے اسے برہ راست رسول ﷺ سے نقل کیا۔حالانکہ وراد کا تعلق طبقہ تابعین سے ہے۔

(۵)۔ امام ابوداؤد اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں: میری معلومات کے مطابق ثور بن یزید نے یہ حدیث رجاء بن حیوۃ سے براہ راست اخذ نہیں کی ہے۔

(۶)۔ امام ابوداؤد کی روایت میں اس حدیث کی تاریخ بھی آگئی ہے یعنی غزوۂ تبوک کے موقع پر رسول ﷺ نے موزوں پر اس طرح مسح فرمایا۔

(۷)۔ سنن ابوداؤد کے نسخے میں ''مسح علی الخفین واسفلهما'' کے الفاظ منقول ہیں۔ لیکن جامع ترمذی اور سنن ابن ماجہ میں ''اعلی الخفین و اسفلهما'' کے الفاظ آئے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ سنن ابوداؤد میں طباعت کی غلطی کی وجہ سے ''اعلی'' کے بجائے ''علی'' کا لفظ لکھا گیا ہے۔

دیکھئے! یہاں محض تین مآخذ کی بنیاد پر ہم نے ایک روایت کی تخریج کی ہے۔ اگر ہم اس روایت کو دیگر مآخذ میں بھی تلاش کریں اور اس طرح اسانید اور متون کا موازنہ اور تقابل کریں۔ تو بہت سارے مزید گوشے ہمارے سامنے آسکتے ہیں۔ اور اس طرح ایک روایت کے بارے میں ہمیں بہت ساری معلومات حاصل ہوسکتی ہیں اس لیے کہا جاتا ہے کہ تخریج روایات کی تہہ تک رسائی حاصل کرنے کا ذریعہ اور وسیلہ ہے۔

مثال نمبر۲:۔

''إذا خطب احد كم المرأة، فان استطاع أن ينظر إلى ما يدعوه إلى نكاحهافليفعل''۔

یہ ایک مشہور حدیث ہے۔ جب ہم نے اس کی تخریج کی تو معلوم ہوا کہ اسے امام ابوداؤد نے اپنی سنن میں، امام حاکم نے اپنی مستدرک میں، امام احمد نے اپنی مسند میں اور امام عبدالرزاق صنعانی نے اپنی مصنف میں ذکر کیا ہے۔

ذیل میں ہم ان چاروں مآخذ سے مذکورہ روایت کو پوری سند کے ساتھ نقل کرتے ہیں۔ تاکہ تخریج کے ذریعہ جو فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ ان کی کچھ مزید وضاحت ہوسکے۔

امام ابوداؤد نے اپنی سنن میں اس حدیث کو اس طرح ذکر کیا ہے:

حدثنا مسدد، أخبرنا عبد الواحد بن زياد، أخبرنا محمد بن اسحاق، عن داؤد بن حصين، عن واقد بن عبد الرحمان ـ يعنى ابن سعد بن معاذ ـ عن جابر بن عبدالله قال: قال رسول

ﷺ :"إذاخطب أحد كم المرأة، فان استطاع انْ ينظر إلى مايدعوه إلى نكاحها فليفعل"۔(٦)

امام حاکم نے اپنی مستدرک میں اس روایت کو یوں اخذ کیا ہے:

أخبرني ابو بكر محمد بن عبدالله بن قريش،ثنا الحسن بن سفيان،ثنا محمد بن ابی بكر المقدمی،أخبرنی عمر بن علی بن مقدم،ثنا محمد اسحاق، عن داؤد بن الحصين، عن واقدبن عمرو بن سعد بن معاذ، عن جابرؓ قال: قال رسول ﷺ : "اذا خطب أحد كم المرأة فان استطاع ان ينظر إلى بعض ما يد عو ه إلى نكاحها فليفعل"۔(٧)

امام احمد بن محمد بن حنبل نے اپنی مسند میں اس حدیث کو اس طرح روایت کیا ہے۔

حدثنا يونس بن محمد ،ثنا عبدالواحد بن زياد،ثنا محمد بن اسحاق عن داؤد بن الحصين ، عن واقد بن عبدالرحمان بن سعد بن معاذ، عن جابرقال:قال رسول ﷺ:"اذا خطب أحدكم المرأةفان استطاع ان ينظر منها ما يدعوه إلى نكاحها فليفعل"۔(٨)

امام احمد کی مسند میں یہ حدیث دوسری سند کے ساتھ اس طرح وارد ہوئی ہے:

حدثنا يعقوب،ثنا أبی،عن ابن إسحاق ،حدثنی داؤد بن الحصين ، مولی عمرو بن عثمان عن واقد بن عمرو بن سعد بن معاذ ، عن جابر بن عبدالله الانصاری قال: سمعت رسول ﷺ يقول : "إذا خطب أحد كم المرأة فقد ر أن يرى منها بعض ما يدعو إلى نكاحها فليفعل"۔(٩)

امام عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں اس حدیث کو اس طرح نقل کیا ہے۔

عن يحي بن العلاء، عن داؤد بن الحصين، عن واقد بن عمر بن سعد بن معاذ، عن جابر بن عبدالله قال: قال رسول ﷺ: ''لا جناح على أحد كم إذا اراد أن يخطب المرأة أن يغترها فينظر اليها فان رضى نكح، وإن سخط ترك''۔(۱۰)

اس حدیث کے مختلف اسانید اور متون کو جمع کرنے کے بعد اس کے جو جو پہلو ہمارے سامنے آئے۔ ذیل میں ہم ان کی وضاحت کرتے ہیں۔تاکہ ہم تخریج کے فوائد سے مزید آگاہ ہو سکیں۔

(۱) تخریج کے ذریعے ہمیں معلوم ہوا کہ اس حدیث کو امام ابوداؤد نے اپنی سنن میں اخذ کیا ہے۔امام حاکم نے اپنی مستدرک میں، امام احمد نے اپنی مسند میں دو (۲) اسناد کے ساتھ اور امام عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں اسے ذکر کیا ہے۔ہمیں یہ بھی معلوم ہوا کہ ان مصادر میں یہ حدیث کون کون سے باب کے تحت درج ہوئی ہے۔

(۲) اس حدیث کی سند کو جب ہم نے جانچا۔تو معلوم ہوا کہ ابن اسحاق نے اپنے شیخ داؤد بن حصین سے ''عن'' کہہ کر روایت اخذ کی ہے۔ابن اسحاق چونکہ مدلس ہے۔اور مدلس جب ''عن'' کے ساتھ روایت کرتا ہے۔تو علماء حدیث کے ہاں اس کی سند اس وقت تک منقطع سمجھی جاتی ہے۔جب تک اس میں ''اتصال'' ثابت نہ ہو جائے۔ابوداؤد، امام حاکم اور امام احمد کے ہاں پہلی سند میں ابن اسحاق نے صیغہ ''عن'' کے ساتھ داؤد بن حصین سے روایت لی ہے۔لیکن امام احمد کے ہاں پہلی سند میں ابن اسحٰق نے ''حدثنی داؤد'' کہہ کر روایت بیان کی ہے اس طرح امام احمد کی دوسری سند کے ذریعے ابن اسحٰق کی تدلیس کی بنا پر انقطاع کا احتمال ختم ہو گیا اور سند میں اتصال ثابت ہو گیا۔

(۳) سنن ابوداؤد اور مسند احمد کی پہلی سند میں جابر بن عبداللہؓ سے واقد بن عبدالرحمان بن سعد بن معاذ نے روایت اخذ کی ہے۔امام ابن القطان نے ''واقد'' کی وجہ سے اس حدیث کو معلول قرار

دیا اور کہا کہ یہاں ''واقد بن عمرو'' ہونا چاہیے۔اس کے اس طبقہ میں ''واقد بن عمرو'' کو شہرت حاصل ہے۔ہم نے جب دیگر اسانید کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ مستدرک حاکم اور مسند احمد کی دوسری سند میں ''واقد بن عمرو بن سعد بن معاذ'' کا نام آیا ہے۔اس طرح امام عبدالرزاق نے جس سند کے ساتھ اس حدیث کو اخذ کیا ہے۔اس میں بھی ''واقد بن عمرو بن جابر'' آیا ہے۔تخریج کے ذریعے ہم اس نتیجے پر پہنچے کہ ابن القطان نے ''واقد بن عبدالرحمان'' کی وجہ سے جس علت کی نشاندہی کی تھی اس کا ازالہ دیگر اسانید میں ''واقد بن عمرو بن سعد بن معاذ'' کا نام آنے کی وجہ سے ہوگیا اور حدیث معلول نہ رہی۔

(۴) امام احمد کی مسند میں یہ حدیث جس دوسری سند سے آئی ہے اس میں داؤد بن حصین کے بارے میں یہ وضاحت بھی موجود ہے کہ داؤد عمرو بن عثمان کے مولیٰ تھے۔

(۵) مصنف عبدالرزاق میں یہ حدیث جس متن کے ساتھ نقل کی گئی ہے۔اس میں دیگر متون کے مقابلہ میں تفصیل آئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ خاتون کو اس حال میں دیکھا جائے کہ اسے معلوم نہ ہو۔اس لیے کہ دیکھنے کہ بعد اگر اسے پسند نہ کیا گیا تو اسے دلی دکھ ہوسکتا ہے۔

(۶) بعض متون میں تعمیم ہے۔مثلاً:''ینظر إلی یدعوہ''اور بعض میں تخصیص ہے مثلاً: ''ینظر إلی بعض ما یدعوہ''

(۷) طبقہ صحابہ میں اس حدیث کے راوی حضرت جابرؓ ہیں۔حضرت جابرؓ سے اسے واقد بن عمرو نے روایت کیا اور واقد سے داؤد بن الحصین نے۔داؤد کے بعد اس کی سند میں پھیلاؤ شروع ہو جاتا ہے۔اور سند کئی طرق میں پھیل جاتی ہے۔

حدیث کی تخریج اگر توجہ، انہماک اور محنت سے کی جائے۔تو بہت سارے مخفی گوشے واضح ہو جاتے ہیں۔اور طالب علم کو اس کی سند اور متن کے لحاظ سے پوری طرح اطمینان ہو جاتا ہے۔حدیث کی جتنی زیادہ اسانید جمع ہوں گی اتنا ہی زیادہ فائدہ ہوگا۔اس لیے تخریج کرتے وقت کوشش کرنی چاہیے کہ زیادہ سے زیادہ مصادر اور مآخذ سے استفادہ ہو۔یہ بات درست ہے کہ تخریج

ایک دقیق اور مشکل فن ہے۔لیکن جب اس فن کے ساتھ مناسبت پیدا ہو جاتی ہے۔تو پھر یہ بہت دلچسپ، وقیع، مفید اور آسان معلوم ہوتا ہے۔اب ہم اس ضمن میں چند بنیادی نکات پیش کریں گے۔

تخریج کے ضمن میں چند بنیادی نکات:

تخریج متن حدیث:

اگر آپ حدیث کے متن کی تخریج کر رہے ہوں تو اس صورت میں آپ کو مندرجہ ذیل پہلوؤں کی وضاحت کرنا ہوگی۔

مآخذ کی نشاندہی:

آپ کو بتانا ہوگا کہ حدیث کن کن مآخذ میں وارد ہوئی ہے۔اس کے لیے علماء حدیث کے ہاں جو طریقہ رائج ہے۔وہ یہ ہے: مثلاً اگر صحیح بخاری میں زیر نظر روایت کتاب الصلاۃ میں آئی ہو۔تو آپ کہیں گے: ''أخرجه البخاری فی کتاب الصلاۃ'' اس کے بعد جس باب کے تحت روایت آئی ہو اس کا عنوان لکھیں گے: ''فی باب کذا''۔پھر صفحہ کا نمبر دیں گے۔اگر حدیث کا نمبر موجود ہو تو وہ نمبر بتائیں گے کتاب جہاں سے چھپی ہے اس مطبع کی نشاندہی کریں گے۔جس سال کتاب چھپی ہے اس سال کے بارے میں بتائیں گے۔اور کتاب کا ایڈیشن بھی بتائیں گے۔سب کچھ کرنے کے بعد آپ اس حدیث کے بارے میں علماء حدیث کی آراء بتائیں گے۔اور باعتبار صحت حدیث کی جو حیثیت ہو اس کی نشاندہی کریں گے۔حدیث کی سند میں انقطاع، اتصال، ارسال وغیرہ ہو تو اس کا بھی ذکر کریں گے۔تخریج کرتے وقت آپ جتنی محنت کریں گے اور جتنی معلومات جمع کریں گے اتنا ہی آپ کا کام زیادہ وقیع شمار ہوگا۔

جب آپ ''مطلق متن'' کی تخریج کر رہے ہوں تو اس صورت میں آپ صرف ''متن'' کو مدنظر رکھیں گے۔اور جب ''متن'' آپ کے سامنے آئے تو آپ اس کے بارے میں کہیں گے:
''هذاالحدیث رواه الائمة عن فلان وفلان من الصحابة عن انس و جابر'' مثلاً۔یعنی

اس حدیث کو ائمہ حدیث میں فلاں فلاں ائمہ نے اپنے ہاں نقل کیا ہے۔ اور جس جس صحابی سے منقول ہو اس کا نام دیں گے۔ مثلاً اگر حدیث حضرت انسؓ سے منقول ہو تو آپ ان کا حوالہ دیں گے۔ اگر حضرت جابرؓ سے منقول ہو تو ان کا حوالہ دیں گے۔ حدیث کی مختلف اسناد بیان کرنے کے بعد آپ متعلقہ کتاب کے باب، صفحہ اور حدیث کے نمبر کی نشاندہی کریں گے۔

اگر آپ کو کسی خاص صحابی سے منقول ''متن'' کی تخریج کرنی ہو۔ تو اس صورت میں ضروری ہے کہ آپ اس حدیث کو تلاش کریں۔ جو اس خاص صحابی سے مروی ہو۔ مثلاً اگر آپ کو حضرت عمر بن الخطابؓ سے مروی کسی متن کی تخریج کرنی ہو تو آپ اس خاص حدیث کو تلاش کریں گے۔ اس متن سے ملتی جلتی حدیث اگر حضرت عمر بن الخطاب کے علاوہ کسی اور صحابی سے منقول ہو۔ تو آپ اس کو بھی درج کریں لیکن یہ مطلوب متن نہیں کہلائے گا بلکہ اس کے شاہد کے طور پر شمار ہوگا۔ مطلوبہ حدیث مل جانے کے بعد آپ اس کی پوری سند بیان کریں گے۔ کتاب کا نام بتائیں گے۔ باب، صفحہ اور حدیث کا نمبر بتائیں گے۔ اور پھر کہیں گے: ''لہ شاھد عن فلان و فلان من الصحابہ''

علماء حدیث تخریج کرتے وقت متون میں الفاظ کے اختلاف کو اہمیت نہیں دیتے۔ دارومدار حدیث کے مفہوم پر رکھتے ہیں۔ جب آپ کو حدیث کا بنیادی راوی اور متن کا پورا مفہوم مل جائے تو آپ سمجھ لیں کہ مطلوبہ حدیث آپ کو مل گئی ہے۔ الفاظ میں اگر تھوڑا بہت اختلاف ہو تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس طرح اگر متن میں کمی بیشی ہو۔ تو بھی کوئی حرج نہیں۔ آپ اتنے حصے کو لے سکتے ہیں جو آپ کو مطلوب ہے۔

امام زیلعی اس ضمن میں لکھتے ہیں:

''وظیفة المحدث ان یبحث عن اصل الحدیث فینظر من خرجه'
ولا یضره تغیّر بعض الفاظه' ولا الزیادة فیه اوالنقص''(۱۱)

محدث کی بنیادی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ حدیث کے متن کو دیکھے اور یہ بتائے کہ اس کی

روایت کس نے کی ہے۔ الفاظ میں تغیر اور کمی بیشی کی چنداں اہمیت نہیں۔

امام سخاوی کہتے ہیں:

''ثم ان اصحاب المستخر جات غير متفر دين بصنيعهم ،بل اكثر المخر جين للمشيخات والمعاجم' و كذا الأبواب يور دون الحديث بأسانيدهم' ثم يصرحون بعد انتهاء سياقه غالبا بعز وه إلى البخاری او مسلم او اليهما معا' مع إختلاف االألفاظ و غير ها يريدون أصله'' (۱۲)

وہ علماء جنھوں نے ''مستخرجات'' مرتب کی ہیں۔ اور روایات اخذ کرنے میں متون کے صرف مفہوم کو مدنظر رکھا ہے یہ صرف ان کا اصول نہیں۔ بلکہ ان تمام علماء کا اصول ہے جنھوں نے ''مشیخات''، ''معاجم'' اور ''ابواب'' کی روایات کی تخریج کی ہے۔ یہ حضرات حدیث کی مختلف اسانید کو جمع کر لینے کے بعد اسے پوری صراحت کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ اور پھر اسے امام بخاری یا امام مسلم یا ان دونوں کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ حالانکہ متون کے الفاظ میں اختلاف موجود ہوتا ہے۔ ایسا کرتے وقت ان کے پیش نظر حدیث کا بنیادی مفہوم ہوتا ہے۔ ظاہری الفاظ نہیں ہوتے۔

حافظ عراقی اپنی کتاب ''المغنی عن حمل الاسفار فی تخريج ما فی الاحياء من الأخبار'' کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

''وحيث عزوت الحديث لمن خرجه من الائمة فلا أريد بذلك اللفظ بعينه، بل قد يكون بلفظه وقد يكون بمعناه أوباختلاف على قاعدة المستخرجات''۔(۱۳)

جہاں میں نے حدیث کو ائمہ حدیث میں سے کسی کی طرف منسوب کیا ہے تو ایسا کرتے وقت میں نے محض حدیث کے ہو بہو الفاظ کو مدنظر نہیں رکھا ہے۔ بلکہ حدیث کے بنیادی مفہوم کو پیش نظر رکھا ہے۔ یہ وہی اصول ہے جو مستخرجات کی ترتیب میں علماء کے ہاں رائج اور متداول ہے۔

فن تخریج سے مناسبت پیدا کرنے اور اس کی بنیاد پر کام کرنے کے لیے ضروری ہے کہ آپ حدیث کے بنیادی مصادر اور مآخذ سے پوری طرح واقف ہوں۔ ان مآخذ کے مناہج کے بارے میں آپ جانتے ہوں۔ ان کے مشتملات اور فہارس آپ کے پاس ہوں۔ اس کے علاوہ بہتر ہوگا کہ آپ ان مآخذ کے مقدمات کا بالاستیعاب مطالعہ کریں۔ ان مقدمات میں مؤلفین، مرتبین اور محققین نے جو معلومات دی ہیں ان کو اچھی طرح سمجھیں اور ذہن میں رکھیں۔ ''مقدمہ'' کے مطالعہ سے بہت فائدہ ہوتا ہے بشرطیکہ سوچ سمجھ کر پورے انہماک اور توجہ کے ساتھ اس کو پڑھا جائے۔

فن تخریج کو اچھی طرح سمجھنے کے لیے بہت مفید ہوگا اگر آپ اس فن کے کسی استاد کے ساتھ رابطہ رکھیں۔ اور ان کی ہدایات اور رہنمائی کے مطابق چند روایات لے کر ان کی تخریج کر لیں۔

آپ خود تخریج کریں گے تو اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ لائبریری کے ساتھ آپ کی مناسبت پیدا ہو جائے گی۔ آپ مطلوبہ روایت تلاش کریں گے۔ تو کئی دوسری روایات بھی پڑھ لیں گے۔ آپ مطلوبہ روایت تلاش کریں گے۔ تو کئی دوسرے ابواب بھی دیکھ لیں گے۔ آپ مطلوبہ حدیث کی اسانید جمع کریں گے اور ان کے رواۃ پر بحث کریں گے تو علم رجال کی کئی کتابیں آپ کے سامنے آجائیں گی۔ حدیث کے مشکل الفاظ تلاش کریں گے تو ''غریب الحدیث'' کے مآخذ دیکھ لیں گے۔ غرض یہ کہ چند روایات کی تخریج کی وجہ سے کئی مآخذ اور مراجع تک آپ کی براہ راست رسائی ہو جائے گی۔ تخریج کرتے وقت عام طور پر دو چیزیں مدنظر رہتی ہیں۔ ایک حدیث کے اسناد اور دوسرے حدیث کے متون۔ لیکن تخریج کے دوران جن چند پہلوؤں کو پیش نظر رکھا جاتا ہے۔ وہ حسب ذیل ہیں:

۱۔ متن حدیث (مآخذ کی نشاندہی)۔

۲۔ رجال اسناد (ہر ایک راوی کی حیثیت)۔

۳۔ مشکل الفاظ کی وضاحت (حسب ضرورت)۔

۴۔ تاریخی واقعات کی تفصیل (حسب ضرورت)۔